اسکول کہانی

اسکواڈرن لیڈر دانش علی (بیچ ۱۹۹۸)

یہ کہانی دانش نے اس وقت لکھی جب وہ فلائٹ لیفٹیننٹ تھے اور پی اے ایف بیس کورنگی میں بحیثیت انسٹرکٹر خدمات سرانجام دے رہے تھے۔ان کی یہ کہانی ایرفورس کے رسالہ میں چھپی تھی۔

کسی نے سچ ہی کہا ہے کہ انسانی زندگی کا سب سے یادگار دور اسکا بچپن ہوا کرتا ہے۔دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنی معصومانہ شرارتوں میں مگن شب و روز انسانی یادداشت پر ایسے نقوش چھوڑ جاتے ہیں جن کی شگفتگی و تازگی ہمیشہ برقرار رہتی ہے۔میرا بچپن بھی ایسی معصومانہ شرارتوں اور "حماقتوں" سے لبریز ہے۔تمام والدین اپنی اولاد کی اچھی تعلیم و تربیت کے خواہاں ہوتے ہیں۔چناچہ اسی جذبہ سے سرشار میرے والد محترم نے مجھے کراچی کے ایک نام ور تعلیمی ادارے "حبیب پبلک اسکول" میں داخل کروادیا۔جو کہ اپنی نصابی اور ہم نصابی سرگرمیوں کی وجہ سے ملک کی نمایاں تعلیمی درسگاہوں میں ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

نصابی سرگرمیوں سے ناآشنائی اور "غیر" نصابی سرگرمیوں سے شناسائی اول روز سے ہی اس دل ناتواں میں گھر کر چکی تھی۔تعلیمی سلسلے کی شروعات ہوئیں اور ہم رفتہ رفتہ تعلیمی منازل طے کرتے ہوئے چھٹے سال تک جا پہنچے سیکنڈری سیکشن میں پہنچتے ہی خیالات کا جھکاؤ بھی پرائمری سے سیکنڈری کی جانب ہوگیا۔علم و عمل کے میدان میں طبع آزمائی کرنے پر بھی کوئی خاطر خواہ کامیابی حاصل نہ ہوئی لہٰذا دلِ پُرتاثیر کو یہ گمان گزرا کہ اب اپنی تمام تر صلاحیتوں اور قوتوں کا رخ کسی اور سمت موڑا جائے۔قدرت کو بھی شائد یہی منظور تھا۔اس زمانے میں پاکستان ٹیلی وژن کراچی سینٹر نے بچوں کا تفریحی پروگرام "اسکول کہانی" شروع کیا۔جس میں ہمارے اسکول کا انتخاب کیا گیا "اندھے کو کیا چاہیے؟ دو آنکھیں" کے مصداق یہ بندۂ ناچیز دل ہی دل میں یہ تصور کر بیٹھا کہ یہی وہ پلیٹ فارم ہے جو اسے راتوں رات شہرت کی بلندیوں پر پہنچا دے گا۔پھر کیا تھا جناب! اہلِ خانہ کے ساتھ اداکاری کے رموز و اسرار کے تمام گُر آزمانا شروع کردیئے۔اور اچھے خاصہ گھر کو "فن کدہ" میں تبدیل کردیا۔ہمارے اسکول میں سندھی کے استادِ محترم کو "ٹیلنٹ ہنٹ" کا کام سونپا گیا۔ہم بھی امیدوں اور صلاحیتوں کی پوٹلی اٹھائے استادِ محترم کی خدمت میں حاضر ہوگئے۔سر سے پاؤں تک بغور جائزہ لینے کے بعد استادِ محترم نے چند ڈائیلاگ بولنے کو کہا۔راقم کے ادا کردہ مکالمے ان کے طبع نازک پر انتہائی ناگوار گزرے۔انہوں نے برجستہ کہا "Next" لیکن ہم بھی یہ ٹھان کر نکلے تھے کہ بس یہی ایک "Chance" ہے جو قدرت کی طرف سے خاص ہمیں عنایت ہوا ہے۔

ارادے جن کے پختہ ہوں نظر جن کی خدا پر ہو
طلاطم خیز موجوں سے وہ گھبرایا نہیں کرتے

ہم نے ہمت نہیں ہاری اور اپنی "Funny" صلاحیتوں کو مزید ابھارنے کے لئے پاکستانی فلموں کا سہارا لیا۔فارمولا کارگر ثابت ہوا اور استادِ محترم نے ہمیں "Extra" کا کردار دے ہی ڈالا۔ساتھ میں ایک عدد وعدہ بھی کیا گیا کہ اگر "Performance" اچھی رہی تو ہیرو کا کردار بھی دیا جاسکتا ہے۔خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ہم مستقبل کے آدھے "وحید مراد" بن چکے تھے۔اگلے دن شوٹنگ کا آغاز ہوا۔شیڈول کے مطابق شوٹنگ صبح نو بجے سے شام پانچ بجے تک ہونا تھی۔گھر والوں کو یہی بتایا کہ ہم ساڑھے پانچ بجے تک واپس گھر آجائیں گے۔کلاس روم میں شوٹنگ کا آغاز ہوا۔قدآور ہونے کی وجہ سے کمرے کی آخری لائن میں بیٹھنے کا کہا گیا جسے ہم نے بادلِ ناخواستہ قبول کرلیا۔کچھ ٹیکنیکی وجوہات کی وجہ سے شوٹنگ وقت سے پہلے ہی اختتام پذیر ہوگئی۔دوپہر کے دو بج رہے تھے۔گھر میں بتائے ہوئے ٹائم کے مطابق ابھی ہمارے پاس مزید تین گھنٹے باقی تھے۔ہم نے سوچا اس قیمتی وقت کو گھر میں پڑھائی یا سودا سلف لانے کی بیکار ڈیوٹیوں میں ضائع کرنے کی بجائے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کی برومندی میں صرف کیا جائے۔چنانچہ اہم نے اپنے جیسے دوسرے "Extras" کو بھی اپنا ہم خیال بنالیا۔ہمارے اسکول کے پچھواڑے میں ایک چھوٹا سا ریلوے اسٹیشن ہوا کرتا تھا۔جس پر لوکل ٹرین کا اسٹاپ تھا۔طے یہ پایا کہ ان قیمتی گھڑیوں کو گزارنے کے لئے ٹرین کی سواری سے لطف اندوز ہوا جائے۔تمام اہلِ ذوق نے اس خیال کی تائید کی،البتہ چند اک کورمغز ایسے بھی تھے جن کے خیالات ہم سے جدا تھے،چنانچہ ہماری راہیں بھی جدا ہوگئیں۔پلان کے مطابق ہم اسکول کے جنوبی گیٹ سے اسٹیشن کی طرف روانہ ہوئے جو کہ پانچ منٹ کی پیدل مسافت پر واقع تھا۔چند ہی لمحوں میں ٹرین اسٹیشن پر آگئی اور ہم اس میں سوار ہوگئے۔ہمارے اس چھوٹے سے کارواں میں میرے دو کزن بھی شامل تھے جو عمر میں مجھ سے کچھ چھوٹے تھے۔میری "قائدانہ" صلاحیتوں بنیاد پر اس قافلے کی "امارت" کی ذمہ داری مجھے سونپ دی گئی،جو کہ ہم نے بہ احسن اخوبی سرانجام دی۔ٹرین جب ڈرگ روڈ کے اسٹیشن پر رکی تو ہم نے فیصلہ کیا کہ یہیں اتر جاتے ہیں اور تھوڑی دیر کھیل کود کر واپسی کی ٹرین پر لوٹ جائیں گے۔ہم اپنے ساتھ کرکٹ کی مکمل کٹ بھی لے کر آئے تھے۔لہٰذا ہم نے آن کی آن میں اچھے بھلے ریلوے اسٹیشن کو کرکٹ کے میدان میں تبدیل کردیا۔ہم لوگ کھیل میں اس قدر مگن ہوئے کہ وقت گذرنے کا ذرا احساس نہ ہوا یہاں تک کہ اذانِ مغرب کی صدائیں گوشِ سماعت سے ٹکرانے لگیں۔ہم بھاگم بھاگ اسٹیشن ماسٹر کے پاس گئے اور واپسی کی ٹرین کا وقت معلوم کیا تو ہمارے ہاتھوں کے طوطے تو کیا سارے کے سارے پرندے اُڑ نچھو ہوگئے۔پتہ چلا کہ ٹرین آٹھ بجے آئے گی۔امید واثق تھی کہ آج گھر پہنچنے پر ہمارا پرتپاک استقبال کیا جائے گا۔خدا خدا کر کے ٹرین آئی اور ہم تقریباً نو بجے اسی جگہ واپس پہنچے جہاں سے یہ قافلہ اس مختصر مگر یادگار سفر پر روانہ ہوا تھا۔باقی "Extras" نے اپنے اپنے گھروں کی راہ لی اور ہم تین لوگ جن میں میں اور میرے دو کزن بھی شامل تھے اپنے محلے کی جانب روانہ ہوئے۔اسی اثناء میں ہم نے دیر سے پہنچنے کا بہانہ بھی گھڑ لیا کہ ہم شوٹنگ کے دوران ایک کمرے میں بند ہو گئے تھے شور مچانے پر کسی نے دروازہ کھولا،جس وجہ سے ہم "Late" ہوگئے۔بہرحال جب ہمارے محلے کی حدود شروع ہوئیں تو سب سے پہلے ہمیں ایک دوست نے آنے والے طوفان کے بارے میں متنبہ کردیا کہ "بیٹا آج تیری خیر نہیں" جیسے ہی بندہ ناچیز اپنی گلی میں داخل ہوا تو گھر کے سامنے ایک جمِ غفیر پہ نظر پڑی اور معصوم سا دل دہل گیا۔آفت ناگہانی کا گماں اب حقیقت کا روپ دھار چکا تھا۔جیسے ہی گھر میں داخل ہوا تو ماں کی مامتا جو کہ اپنے لختِ جگر کو پچھلے چار گھنٹوں سے نہ جانے کہاں کہاں تلاش کر رہی تھی کو جوش آیا اور سینے سے لگالیا لیکن یہ جذباتی "Scene" زیادہ دیر تک برقرار نہ رہ سکا۔میری خالائیں جن کے دو بیٹوں کو "Fun" کار بنانے کے لئے ہم اپنے ساتھ لیکر گئے تھے،ان کے انتہائی پرزور اسرار پر میری والدہ نے میری وہ درگت بنائی کہ 'الامان! تو کہاں! میں کہاں!

اگلی صبح جب ہم اسکول پہنچے تو یہ واقعہ پورے اسکول میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکا تھا۔لہٰذا ہم سب ایکسٹرا "Fun" کاروں کو بلایا گیا اور یہ حکم صادر ہوا کہ " آج سے اسکول کی طرف سے آپ پر اداکاری کے تمام دروازوں کو بند کیا جاتا ہے"۔لہٰذا ہم ایک "Super Star" بنتے بنتے رہ گئے۔وہ دن اور آج کا دن جب بھی اداکار بننے کا خیال ہمارے جی میں آیا تو نور جہاں کا یہ گانا بھی ساتھ ہی ہمارے ذہن میں گونجنے لگا کہ ؎

جا! اپنی حسرتوں پہ آنسو بہا کے سوجا - - -